مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بطور مؤرخ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت

حافظ محمد ارشد اقبال* ڈاکٹر محمد ادریس لودھی**

ABSTRACT:

Maul┐ na Ab┴ al-Hassan 'Al┘ Nadv┘ as a Historion in Light of His Book *T┐ r┘ kh-e-Da'wat wa 'A╘┘ mat*

Maul┐ na Ab┴ al-Hassan Al┘ Nadv┘ was the great thinker, historian and writer of 20th century. He was a deviant author and provided best Islamic literature on new topics with novel embellishment of writing. He did prodigious work for the intellectual awakening of the Muslim world and to enhance the awareness in the field of research and history. *T┐ r┘ kh-e-Da'wat wa 'A╘┘ mat* is a proof of his wide learning and sagaciousness in this link. The said researcher work would shed light on his book *T┐ r┘ kh-e-Da'wat wa 'A╘┘ mat*. The research article would vividly depict the style and merits of the book beside its critical appreciation. This article would expound the historical significance of the book with its impact on Isamic movement. In a nutshell, it can be said that in this article each and every flank of the aforementioned book is discussed and analyzed.

Key words: *Ab┴ al-Hassan Al┘ Nadv┘*, Historion, *T┐ r┘ kh-e-Da'wat wa 'A╘┘ mat*

فن تاریخ:

تاریخ عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ (ا، ر، خ) ہے یہ ایسا علم ہے جس میں حوادث وواقعات مع تاریخ بیان کیے جائیں۔[1] فرد یا قوم کو پیش آنے والے احوال وواقعات کا بیان ہی تاریخ کہلاتا ہے۔[2] جیسا کہ آتا ہے: "وفي الاصطلاح التعريف بالوقت الذي تضبط به الاحوال والحاصل انه فنّ يبحث فيه عن وقائع الزمان من حيثية التعيين والتوقيت بل عما كان في العالم"۔[3]

اصطلاح میں تاریخ سے مراد یہ ہے کہ وقت بتا کر احوال کا تعین کیا جائے۔ یہ وہ فن ہے جس میں تمام زمانے کے واقعات پر تعین وقت کے ساتھ بحث کی جاتی ہے یعنی تاریخ کا موضوع انسان اور زمانہ ہے اور اس علم کا فائدہ ہے تمام باتوں کا صحیح علم ہونا ہے۔ انگریزی میں اس کے لئے لفظ "History" بولا جاتا ہے۔ جو لاطینی زبان کے لفظ "Historia" سے ماخوذ ہے۔ اسکے معنی اطلاع دینا، تحقیق کرنا اور معلومات حاصل کرنا ہیں۔

تاریخ کا موضوع بحث حقائق اور حقائق کا ریکارڈ ہے۔ تاریخ کو تمام علوم سے اقدم شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ S.M

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، مظفر گڑھ۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

Jaffar اپنی کتاب History of History میں لکھتے ہیں: "یہ تمام فنی اور سائنسی علوم میں قدیم ترین علم ہے"۔[4]

تاریخ نویسی وہ کوشش ہے جس میں قصے سے حقیقت، کہانی سے سائنس، حقیقت سے فلسفے اور آرٹ سے وجدان کی حد تک پہنچنے کیلئے ایک طویل سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ یہ بجا ہے کہ تاریخ سب کچھ ہے اور سب کچھ تاریخ ہے۔[5] لہذا کہا جاتا ہے کہ تاریخ ماضی کی سیاست ہے اور ماضی کی سیاسی حال کی تاریخ ہے[6]۔ گویا تاریخ علم و فن ہے جو ماضی کے تجربات کی روشنی میں حال کی اصلاح اور مستقبل کی تعمیر کے لئے ناگزیر ہے اس لئے ماہرین اس علم کو انسانی ذہن سے تشبیہ دیتے ہیں گویا تاریخ کسی بھی قوم کی قوت حافظہ ہوتی ہے جو ماضی کے واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل کرتی ہے۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت کی اہمیت تاریخ کی بیان کردہ تعریفات سے ظاہر ہوتی ہے۔

احوال و آثار:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بیسویں صدی کے قابل فخر اور حیاتِ جاوداں رکھنے والے فرزند اسلام تھے جن کی شخصیت اور تصانیف نے ایک عالم کو منور کیا۔ جنہوں نے اپنی لافانی کتب کے ذریعے گزشتہ صدی کے عالم اسلام میں خصوصی طور پر شہرت اور بقائے دوام کی سعادت حاصل کی۔ آپ حضرت علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی عملی تصویر تھے:

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے　　　اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل[7]

آپ علم و تحقیق کی مسند اعلیٰ پر فروکش تھے۔ آپ کی ذات علوم و فنون کا سمندر اور علم و عمل کا بحرِ بیکراں تھی۔ آپ نمونۂ اسلاف، متبع سنت، متقی و پرہیزگار، عابد و زاہد اور قاطع بدعت بزرگ تھے۔ عربی زبان کے جید ترین عالم، علم و تحقیق میں یکتائے روزگار اور بڑے بڑے علماء پر فائق سمجھے جاتے تھے۔ آپ کی تمام تصانیف نہایت عمدہ اور مہارت علمی پر سند کا درجہ رکھتی ہے جو علمی نکات و لطائف کا مرقع ہیں۔ اردو تاریخ نگاری میں ندوۃ العلماء ایک مکتبۂ فکر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید علم الکلام بالعموم ان علماء کرام نے ترتیب دیا جو عربی اور فارسی کے فاضل تھے۔[8] لیکن عام علماء کی جماعت سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا اور بالعموم علماء کرام نے ہی انکی مخالفت کی مگر آہستہ آہستہ علماء میں بھی کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جنہیں اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اسلامی مدارس کا نصاب ضروریات زمانہ کے مطابق بنایا جائے[9] اور علی گڑھ پارٹی اور قدیم علماء کے درمیان ایک تعلیمی اور مذہبی طریقہ کار قائم ہو۔[10] چنانچہ اس مقصد کیلئے 1894ء میں علی گڑھ، دیوبند اور سہارن پور کے مدارس کے قیام کے 30 سال بعد لکھنؤ میں ندوۃ العلماء قائم ہوا۔ اس عمدہ خیال کے اصل محرک مولوی عبد الغفور ڈپٹی کلکٹر تھے۔[11]

مگر اسکی تکمیل سید محمد علی صاحب کانپوریؒ خلیفہ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادیؒ کے ہاتھوں ہوئی اور وہ ہی اس ادارے کے ناظم اول مقرر ہوئے۔[12] اس ادارے کے درج ذیل مقاصد تھے:

1۔ قدیم نصاب تعلیم اور علی گڑھ کی جدید تعلیم کے درمیان ہم آہنگی کی قابل قبول صورت۔

2۔ علماء کے باہمی نزاع ختم کر کے انہیں ایک مرکز پر جمع کرنا۔

3۔ ملک کے سیاسی معاملات سے الگ رہ کر مسلمانوں میں حصول علم کا جذبہ پیدا کرنا۔

4۔ایک عظیم الشان لائبریری کا قیام۔

5۔ محکمہٗ افتاء کا قیام۔

6۔ ایک بڑے دارالعلوم کا قیام جس کے نصاب تعلیم کے ذریعے آپس کے مسلکی اختلافات ختم ہو سکیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اسی مکتبہ فکر کی نمائندہ اور مایہ ناز شخصیت تھے جنہیں تاریخ نگاری پر مکمل عبور حاصل تھا۔ "دریائے یرموک سے دریائے کابل تک", "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر", "پرانے چراغ" اور "کاروان زندگی" جیسی تصانیف سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔[13]

خاندانی پس منظر:

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا خاندان نسباً حسنی ہے اور 38 واسطوں سے آپکا سلسلہ حضرت امام حسنؓ بن علیؓ سے جا ملتا ہے۔[14] امام حسنؓ کے پوتے عبداللہ المحض کے پوتے عبداللہ بن محمد النفس الزکیہ جو عبداللہ الاشتر کے لقب سے مشہور تھے, اہل بیت میں سے پہلے شخص تھے جو ہندوستان آئے مولانا انہی عبداللہ الاشتر کی نسل سے تھے۔[15] یہ اپنے والد محمد النفس الزکیہ کی انقلابی تحریک کے دوران عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور سے بچنے کیلئے اپنے والد کے مشورے سے سندھ آئے تھے۔ کیونکہ سندھ کا عباسی گورنر اہل بیت کا وفادار تھا۔[16] مولانا کے وہ جدِاعلیٰ جن کی ذریت سے براہ راست مولانا سید علی مرحوم تھے, وہ امیر کبیر سید قطب الدین (م ۶۷۷ھ) تھے جو فتنہ تاتار کے زمانے میں بغداد سے براستہ غزنی دہلی تشریف لائے یہ سلطان شمس الدین التمش(1235ء تا1210ء) کا دور تھا۔[17] تقریباً ایک صدی بعد سید قطب الدین المدنیؒ کی اولاد میں سے سید قطب الدین ثانی ضلع رائے بریلی میں منتقل ہوئے۔ سید قطب الدین کے بیٹے علاء الدین پر انکے بیٹے سید محمود اور انکے بیٹے سید احمد, لودھی دور حکومت میں منصب قضاء(جج) پر فائز رہے۔ قاضی سید احمد کے دو بیٹے سید محمد فضل اور سید محمد اسحاق تھے۔ سید محمد فضل کی اولاد میں سے سید علم اللہ، سید آدم بنوری اور سید احمد(م1831ء) پیدا ہوئے۔ جبکہ سید محمد اسحاق کی اولاد سے سید ابوالحسن علی ندویؒ پیدا ہوئے۔[18] سید آدم بنوری مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ اور شاہ علم اللہ سید آدم بنوری کے خلیفہ تھے۔ آپ کے دادا سید فخر الدین خیالی تھے۔ جنہوں نے مسدس حالی

کے جواب میں مسدس خیالی تحریر کی۔ آپکے والد حکیم سید عبدالحیؒ(م1923ء) فصیح وبلیغ عربی زبان میں متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں انکی معرکۃ الآراء کتاب " نزہتہ الخواطر" ہے جو آٹھ جلدوں میں حیدرآباد دکن کے دائرۃ المعارف العثمانیہ سے شائع ہوئی تھی۔[19] مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے اپنے والد پر " حیات عبدالحیؒ" کے نام سے مفصل کتاب تحریر کی۔ آپ کی والدہ سیدہ خیر النساء ایک انتہائی پاکباز اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ قرآن کی حافظہ اور شاعرہ تھیں۔ انکا حمد ونعت کا ایک مجموعہ چھپا ہوا ہے۔ " حسنِ معاشرت" کے نام سے خواتین کیلئے ان کی ایک مفید اور مختصر کتاب بھی مطبوع ہے۔[20] مولانا نے اپنی والدہ پر بھی ایک کتاب "ذکرِ خیر" کے نام سے لکھی ہے۔ آپ کی والدہ نے 93 برس کی عمر میں 31 اگست 1968ء کو رحلت فرمائی۔[21] الغرض توحید پر استقامت، بدعات سے اجتناب، دینی حمیت، جذبۂ جہاد سے سرشار اور شریعت وطریقت میں ربط اس خاندان کے امتیازی اوصاف رہے ہیں۔[22]

ولادت:

آپ برصغیر میں علی میاں اور عالم عرب میں شیخ ابوالحسن اور الشیخ الندوی کے نام سے معروف ہوئے۔ حجاز مقدس کے اہل علم آپکو برکت العصر کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ آپ ۶ محرم ۱۳۳۳ھ 25 نومبر 1914ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا عبد الحیؒ کی پہلی بیوی وفات پاگئی تھیں۔ آپ ان کی دوسری بیوی سے دو صاحبزادیوں کے بعد پیدا ہوئے۔[23]

تعلیم وتربیت:

چونکہ علی میاں کے والد بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے اس لیے آپ کی تعلیم وتربیت میں والدہ اور بڑے بھائی عبدالعلی (جو آپ کے والد کی پہلی بیوی سے تھے) نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ ابتدائی تعلیم اردو، فارسی اور حساب کا آغاز گھر سے ہی ہوا۔ لکھنؤ میں پورا قرآن ناظرہ پڑھا۔ 1923ء میں والد کی وفات کے بعد آپکا خاندان رائے بریلی منتقل ہو گیا۔ یہاں آپ نے والدہ کی زیر نگرانی چند سورتیں بھی حفظ کیں۔ آپکی باقاعدہ عربی تعلیم خلیل بن محمد عرب کے پاس ہوئی۔[24] جو لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی ادب کے پروفیسر تھے۔ ڈاکٹر عبد العلی نے آپ کو لکھنؤ یونیورسٹی کے فاضل ادب عربی کی کلاس میں 1926ء میں داخل کروایا۔ اس وقت آپ یونیورسٹی کے سب سے کم عمر طالبعلم تھے۔ اسی دوران پرائیوٹ ٹیوٹر سے انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ 1929ء میں آپ فرسٹ ڈویژن کے ساتھ کامیاب ہوئے اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔[25]

علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ سے ملاقات:

1929ء میں اس عظیم کامیابی پر آپکی پھوپھی نے آپکو لاہور بلایا۔ جہاں آپکے پھوپھا جان مولانا طلحہ

صاحب حسنی ایم۔اے (استادعربی اورینٹل کالج)نے علامہ اقبال سے آپکی پہلی ملاقات کروائی۔اس وقت آپ علامہ اقبال کی ایک نظم "چاند" کا ترجمہ عربی میں کر چکے تھے جو آپ نے علامہ اقبال کو سنایا۔علامہ اقبال نے عربی کے متعلق سوالات کر کے آپ کا امتحان بھی لیا اور آپ کے جوابات پر مطمئن بھی ہوئے۔پھر 1937 میں علامہ سے دوبارہ شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔[26] 1940میں سید مودودی کے ساتھ آپ کا تعلق قائم ہوا۔ آپ نے مودودیؒ صاحب کو ندوۃ آنے کی دعوت دی۔جہاں انہوں نے اسلامی نظام تعلیم پر لیکچر دیا۔اسی دوران آپ کی جماعت اسلامی کی طرف میلان ہوا اور آپ 1941 تا 1943 تک لکھنؤ کی مقامی جماعت اسلامی کے امیر رہے۔ 1944 میں آپ کا تعارف مولانا محمد الیاس کی دینی دعوت سے ہوااور ذاتی ملاقاتیں بھی ہوئیں۔آپ ان سے متاثر ہو کر اسی جماعت سے وابستہ ہو گئے, ندوۃ میں اسے عام کیا اور تمام عمر اسی کی خدمت کی۔

اعلیٰ تعلیم:

1929ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے سند فراغت کے بعد مشہور محدث مولانا حیدرحسن خان ٹونکی سے دو سال تک حدیث اور فقہ پڑھی۔1930اور1931ء میں مولانا احمد علی لاہوری سے استفادہ کیلئے لاہور آئے جن کا درسِ قرآن بہت مشہور تھا۔دیوبندکے فارغ التحصیل طلبہ قرآن کے ایک مخصوص کورس کے لئے ان کے مدرسہ قاسم العلوم آتے تھے۔ 1932ء میں مولانا حسین احمد مدنی سے حدیث پڑھنے کیلئے دیو بند تشریف لے گئے جہاں ۴ ماہ قیام رہا۔[27]

عقد نکاح اور تدریسی زندگی کا آغاز:

15 جولائی1934ء میں ندوہ العلماء لکھنؤ کے مہتمم اعلیٰ مولانا مسعود علی ندوی نے آپکو 40 روپے ماہوارپر تفسیر وادب کا معلم مقرر کیا۔منطق اور تاریخ اسلامی کے دروس بھی آپ ہی کے پاس تھے۔نومبر 1934 میں ماموں زاد بہن سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔[28]

حج اور عالمِ عرب کے اسفار:

1947ء میں تقسیم ہند سے قبل پہلا حج والدہ کے ساتھ کیا۔1950ء میں دوسرا حج اپنے مرشد شاہ عبدالقادر رائے پوری کے ساتھ کیا۔دوسرے حج کے بعد جنوری 1951ء میں ترکی، مصر،سوڈان، دمشق، اردن، فلسطین، شام ،لبنان،اور ترکی کے علمی دورے کیے۔اکتوبر 1951میں واپس حجاز پہنچے اور فریضۂ حج کے بعد واپس ہندوستان آئے۔[29]

ندوہ کے ناظم اعلیٰ:

1951ء میں ہندوستان واپسی پر سید سلیمان ندوی کی تجویز پر ندوۃ العلماء کے نائب معتمد تعلیم مقرر ہوئے۔1953ء میں سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد معتمد تعلیم مقرر پائے اور 1961 ء میں برادر ڈاکٹر عبد العلی کی

وفات پر ندوۃ کے ناظم بنے۔[30] آپکے دور میں ندوہ نے بہت ترقی کی جو اس سے قبل کسی ناظم سے نہ ہوئی تھی۔ مثلاً نصابی اصلاحات، ہوسٹل کی تعمیر، نئے شعبہ جات کا قیام، تحقیقی کام پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری دینے کا انتظام، طالبات کی اسلامی، دینی وعربی تعلیم کیلئے علیحدہ سے انسٹیٹیوٹ کا قیام اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کا قیام بھی آپ کے دور امارت میں ہوا۔[31]

خصوصی امتیازات ووفات:

آپ ایک نہایت معروف عالمی شخصیت تھے اور 16سے زیادہ قومی اور بین الاقوامی اعلی تنظیموں اور اداروں کے صدر اور رکن رہے۔ اسلامک سنٹر جنیوا اوکسفورڈ، مرکز مطالعات اسلامی، اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ، دمشق یونیورسٹی میں استاد زائر کی حیثیت سے خدمات سر انجام دیں۔ 153 چھوٹی بڑی کتب ،رسائل اور مضامین پر مشتمل علمی ذخیرہ تحریر کیا۔ 1980 میں اسلام کی بیش بہا خدمات کے اعتراف میں شاہ فیصل ایوارڈ ملا۔[32] مولانا ایک ایسی قلمی اور تحقیقی روایت کے امین تھے جو اخلاق اور بے نفسی کے جوہر سے آراستہ تھی۔ ترکِ دنیا ونمود ونمائش آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ ستائش وصلہ کی تمنا سے بے نیاز ہو کر عمر بھر پوری استقامت کے ساتھ قلم کی امانت ادا کرتے رہے۔ قلم بھی خوب رواں تھا۔ بہت لکھتے اور خوب لکھتے۔ آپ اشہب قلم کی روانی وشکوہ کا ادارک ان کا ہم ذوق ہی کر سکتا تھا۔ کتاب "دعوت وعزیمت" آپ کی علمی، قومی، ملّی اور مذہبی خدمات کا اثاثہ ہے۔ تبلیغی، ادبی اور تاریخی اسلوب کا نمونہ ہے۔ 1999 کے وسط میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور بالآخر آپ 22رمضان المبارک 1420ھ بمطابق 31دسمبر 1999 کی دوپہر 11:45بجے انتقال فرماگئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ بحیثیت مؤرخ:

اسلام کے خلاف مستشرقین کا ایک بڑا ہدف اسلامی تاریخ کو مسخ کرنا ہے اور تاریخی واقعات سے غلط منہج واستدلال کر کے اسلام کے خلاف رائے عامہ کو گمراہ کرنا ہے۔ ان حالات میں اسلام کی تجدیدی اور اصلاحی کارناموں پر مشتمل تاریخ کو صحیح رنگ میں پیش کرنا ایک بڑا قلمی جہاد ہے۔ آپ کی تصنیف "تاریخ دعوت وعزیمت" اس کا واضح ثبوت ہے مولانا علی میاں کی تاریخ نگاری کا اولین مقصد امت مسلمہ کو اس کے تابناک ماضی سے روشناس کرانا ہے تاکہ امت غیروں کی مرعوبیت اور ان کے پھیلائے ہوئے غلط پروپیگنڈے سے محفوظ رہ سکے۔ آپ کسی بات کو تحقیق وتدقیق اور تعدیل کے بغیر تسلیم نہیں کرتے۔

تاریخ نگاری میں آپ کے تفردات:

بطور مؤرخ مولانا ندویؒ کی انفرادیت یہ ہے کہ آپ تاریخی واقعات کو ان کے اصلی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ آرائش عبارت میں اپنا قلمی زور صرف کرنے کے بجائے حقیقت نگاری کو ترجیح دیتے ہیں۔ واقعات کے اسباب وعلل کا

کھوج لگا کر صحت واقعہ کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔واقعات سے حقائق کا استنباط کر تے ہیں۔ اس طرح ایک ایسا مربوط اور مستحکم تاریخی اسلوب اختیار کرتے ہیں جو صحت واقعہ اور صحت نتائج کا ایک کامل مرقع نظر آتا ہے۔

تاریخ دعوت وعزیمت

پس منظر اور تالیف کے محرکات:

اس عظیم الشان موضوع پر قلم اُٹھانے کے درج ذیل محرکات تھے:

1- محرم 1372ھ بمطابق ستمبر 1952 میں "جماعت دعوت, اصلاح وتبلیغ, لکھنؤ" کے زیر اہتمام رفقاء کی تربیت کے لئے علمی ودعوتی تقاریب کا اہتمام کیا گیا۔اس موقعہ پر سید ابو الحسن علی ندوی کو اصلاح وتجدید کی تاریخ اور اس کی اہم شخصیات کے موضوع پر ایک ہفتہ تک خطاب کی دعوت دی گئی۔ یہ سلسلۂ تقاریر کتاب دعوت وعزیمت کی تالیف کا اولین محرک ثابت ہوا۔

2- ان علمی مجالس کے اختتام پر مولانا محترم نے محسوس کیا کہ یہ ایک اہم تاریخی موضوع ہے اور اس پر پوری توجہ اور اطمینان سے کام کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس موضوع پر کوئی مفصل اور مکمل کام موجود نہ تھا۔[33]

3- مولانا نے اسے تاریخ اسلام کا ایک بڑا خلا قرار دیا۔ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں اصلاح وتجدید کے اس خلا سے اسلام کے تصور حریت اور مجددین ملت کے کارہائے نمایاں سے بدگمانی اور مایوسی کا تاثر ابھرتا تھا۔

4- دستیاب کتب تاریخ اسلام، واقعات کی فہرست، بادشاہوں یا چند نمایاں شخصیات کے سوانح، تراجم اور تذکرے تک محدود تھیں۔ان کتب میں اسلام اور مسلمانوں کی کوئی ایسی مسلسل اصلاحی اور فکری تاریخ نہیں کہ جس میں تمام شخصیات اور ان کی تحریکات کا مربوط تعارف ہو۔

مقاصد:

مولانا نے کتاب دعوت وعزیمت کے درج ذیل مقاصد تحریر کیے ہیں:

1- اسلام کی 1300 برس کی تاریخ میں اصلاح وانقلاب حال کی کوششوں کے تسلسل کو ظاہر کرنا۔

2- ان ممتاز شخصیات وتحریکات کی نشان دہی کرنا جنہوں نے اپنے وقت میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق دین کے احیاء وتجدید اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے کام میں حصہ لیا۔

3- بعض ایسے رجال دین کے کار ہائے نمایاں کا ذکر جو معروف معنی میں مجدد نہیں, مگر دین کی تجدید واحیاء اور اصلاح وانقلاب کے مجموعہ میں ان کا اہم کردار ہے۔[34]

خصائص:

اسلامی تجدید ی فکر کا مربوط تاریخی پس منظر اور اس کا تجزیاتی بیان جس ذہانت ومہارت سے مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے کیا ہے وہ اردو کی تاریخ نگاری میں ایک نیا اضافہ ہے۔ اسلوب بڑا مدلل اور واضح ہے۔ تاریخ کا اپنا ایک مزاج ہے جو خلاف مزاج اسلوب کو برداشت نہیں کر سکتا۔ مصنف نے تاریخ کی اس نازک مزاجی کو پوری کتاب میں ملحوظ رکھا ہے۔ ایکٹن (Acton) لکھتا ہے: "تاریخ نویسی کے تقاضے انسان کو مؤرخ یا مصنف کی بجائے انسا ئیکلو پیڈیا کا مدون بنادیتے ہیں"۔[35]

یہی شان کتاب دعوت وعزیمت میں نمایاں ہے:

- کتاب, فن تاریخ نویسی کے معیار کے عین مطابق ہے کیونکہ کتاب کی تصنیف میں مصنف نے گہرے غور وفکر سے کام لیا ہے۔بحث کا معیار علمی رکھا۔ مجددین کے بارے میں ان کی کتابوں سے استشہاد کیا اور ان کے اقوال وملفوظات سے ان کی تحریکی فکر پر روشنی ڈالی۔ اس طرح مصنف نے تاریخ کے عام قارئین کے ساتھ مطالعۂ تاریخ کا خصوصی ذوق رکھنے والے اصحاب کی علمی ضروریات کو بھی مد نظر رکھا ہے۔
- مؤرخ صرف واقعہ نویس نہیں ہوتا بلکہ تجزیہ نگاری اور تجزیہ نویسی بھی اس کی خوبی ہوتی ہے۔غیر متعصب ہونا اسکے لیے بنیادی شرط ہے۔ Sherman Kent لکھتا ہے:

Impartiality not neutrality is the key to the errect proper and just presentation of history.[36]

ایک ماہر مؤرخ کے نزدیک تاریخ کا ایک وصف یہ ہونا چاہیے۔ کہ جوکچھ بیان کیا جائے وہ بڑی سادہ اور واضح زبان میں ہو۔ مغربی مؤرخین بھی اس امر کا لحاظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ Kent لکھتا ہے:

He must realize that a thought expressed must be expressed in an understandable idiom.[37]

مولانا ندوی نے تاریخ دعوت وعزیمت میں ان جدید تاریخی رجحانات اور طرز اسلوب کو ہی اختیار کیا ہے۔

- مصنف فکری اور عملی طور پر زوال پذیر مسلماں قوم کو ان کے اکا برین کی عظمت کے قصے سنا کر ان کو پستی اور احساس کمتری سے نکالنا چاہتا ہے لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ مصنف نے تاریخ نویسی کے مسلمہ فنی لوازم اور ضروریات کو نظر انداز نہ کیا اور موضوع کو پوری تحقیق اور دیانتداری سے نبھایا ہو۔تاریخ دعوت عزیمت اپنے موضوع پر اردو میں دستیاب ہونے والے قلیل ادب میں ایک خوش آئند اضافہ ہے۔موضوع سے متعلق سینکڑوں کتابوں اور مضامین سے مواد بڑی تحقیق اور دیانت سے اخذ کیا۔ مؤرخ کو ہر اس زمانے کا فرد بننا پڑتا ہے جس کی وہ تاریخ لکھ رہا ہو وہ واقعات کی صحت Accuracy کا امین ومحافظ ہوتا ہے اس لیے کہا جاتا ہے: Accuracy is a duty not a virtue یعنی صحت واقعہ مؤرخ کا فرض ہے, نہ کہ خوبی۔ مزید یہ امر بھی قابل غور ہے: Facts

are sacred opinion is free[38] یعنی مؤرخ کے لیے آزادی رائے کے باوجود حقائق مقدس ہوتے ہیں۔

- موضوع سے ہٹ جانا دراصل تاریخ نویسی کے مقصد کیلئے نقصان کا باعث ہے۔ Kent لکھتا ہے:

Irrelevancy is a death from the correct sort of his histeriography.[39]

تاریخ مسائل حل کرنے میں انسان کی رہنمائی کرتی ہے اور خود تحقیق وتدقیق کی محتاج ہوتی ہے۔

- دوسرے ایڈیشن میں "فتنہ تا تار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش" کے عنوان کے تحت اس وقت کے عالم اسلام کی اخلاقی، معاشرتی، دینی, روحانی اور سیاسی حالات کا پہلی مرتبہ جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کی تاریخ میں تجدیدی شخصیات کی کمی کے عنوان کا اضافہ بھی دوسرے ایڈیشن میں کیا گیا ہے۔

- تاریخی شخصیات کی زندگی کے باطنی پہلو تعلق باللہ، اخلاقی خصوصیات، عبادت وانابت الی اللہ کے ذوق کو بھی فاضل مؤلف نے بڑے اہتمام اور سلیقے سے بیان کیا ہے[40] تاکہ قاری ان ایمان افروز اور روح پرور واقعات سے بھی تازگی اور نشاط وانبساط حاصل کرسکے۔ کسی تحریکی شخصیت کے فضائل ومناقب کے بیان میں اس پر محتاط ناقدین کی تنقیدی آراء کا بھی لحاظ رکھا گیا یعنی تنقید وتقدیس میں توازن رکھا گیا ہے بے جا تنقید یا نمائشی تقدیس کا شائبہ تک نہیں ہو پاتا۔

- شخصیات وتحریکات کو ان کے تاریخی اور معاصر ماحول، اس زمانہ کی علمی وفکری سطح اور ان کے میدان کار کی وسعتوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ان کے دور اور ماحول کا یہ لحاظ ہی ان کے صحیح تاریخی مقام اور کارناموں کی قدروقیمت کا صحیح تعین کر سکتا ہے۔

- کتاب میں ممتاز اصحاب دعوت، مصلحین، مصنفین اور عظیم مفکرین کی تصنیفات وخطابات کے اتنے مختلف اور مبسوط اقتباسات دیے گئے ہیں کہ قاری کو ان کی روحانی صحبت کا احساس ہوتا ہے اور اس پر اس زمانے، ماحول اور شخصیت کے اثرات وکیفیات کو طاری کرنے کا احساس ہوتا ہے۔

- بلند تحقیقی وتاریخی معیار(نمایاں خصوصیت) کسی دعوت یا شخصیت کے حالات ومقاصد معلوم کرنے کے لئے عموماً خود اسی کی تصنیفات سے اقوال اور تحریروں سے مدد لی گئی گویا مصادر اصلیہ سے رجوع کیا گیا جو کہ ایک بنیادی, لازمی اور اعلیٰ تحقیقی اصول ہے جس سے کتاب کا معیار برقرار رہتا ہے۔

- اگر براہ راست ان کتب سے استفادہ ممکن نہ ہوسکا ہو تو پھر ان کے رفقاء، تلامذہ اور معاصرین کی تصنیفات اور بیانات کو ترجیح دی گئی ہے یہ طرز عمل بھی مسلمہ تحقیقی اسلوب کے مطابق ہے۔[41]

- درج بالا دونوں ذرائع کے مفقود ہونے کی صورت میں متعلقہ مستند ماخذات پر اعتماد کیا گیا اور اس بارے میں کسی زبان یا

زمانہ کی تخصیص نہیں کی گئ جہاں کوئی کام کی بات دیکھی اسے مع حوالہ درج کیا گیا۔[42]
-کیونکہ اس موضوع پر کتابوں کی کمی نہیں بلکہ کال ہے یہ سلسلہ کتب اس کی کمی کی ایک اچھی تلافی ہے۔ کتاب کے اسلوب سے ثابت ہوتا ہے کہ فاضل مصنف ایک کامیاب اور اچھے ناقد، صاحب بصیرت عالم، انشاء پرداز، متکلم اور فہیم مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ سوانح نگار اور سیرت نویس بھی ہیں۔بات کو سلجھا و سمجھا کر کرنے کے طریقے کے ماہر ہیں۔ موضوع پر آپکی نظر وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ عمیق بھی ہے۔کتاب میں نئ معلومات، نئ ترتیب اور واقعات کا تاریخی تجزیہ بہت باکمال اور عمدہ ہے۔

تاریخ دعوت وعزیمت کے فنی خصائص:

تاریخ دعوت وعزیمت اپنے موضوع کی جدت، اسلوب کی خوبی اور مصنف کی ایک عالم باعمل شخصیت ہونے کے حوالے سے اپنے اندر فنی خصائص بھی رکھتی ہے۔ اس ضمن میں بعض اہم نکات درج ذیل ہیں:

1۔ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ:

یہ کتاب محض تاریخی واقعات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اسلام کو در پیش بہت سے عصری مسائل کی وضاحت وصراحت سے بھی ہم آہنگ ہے۔کیونکہ اس کتاب کے فاضل مؤلف مولانا ندوی نہ تو محض ابلہ مسجد تھے اور نہ تہذیب کے فرزند بلکہ آپ کی شخصیت قدیم وجدید علوم کا ایک ایسا مرقع تھی جس کا ہاتھ وقت کی نبض پر تھا۔خود مولانا لکھتے ہیں: "یہ کام اتنا آسان نہ تھا جتنا سمجھا جا رہا تھا۔ عصر حاضر کے تقاضوں، جدید ذہنوں اور بحث وتحقیق کے جدید معیاروں اور پیمانوں کے مطابق اتنا کافی نہ تھا جو کچھ لکھا گیا ہے"۔[43] یعنی مولانا ندوی تاریخ دعوت وعزیمت کے موضوع کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے جاتے ہیں۔یہ اس کتاب کی ایک نمایاں خوبی ہے۔

2۔ انتخاب مواد میں تلخیص کا طریقہ کار:

تاریخ ایک ایسا موضوع ہے کہ جس میں ہر مؤرخ نے طبع آزمائی کی۔ایک ہی واقعہ کو مختلف ذہن رکھنے والے مؤرخین نے جب قلم بند کیا تو واقعہ کی اصل روح اور تفصیلات مختلف اسلوب اور رنگ اختیار کرتی چلی گئیں بعد کے مؤرخین کے لیے تاریخی واقعات کے اسباب وعلل، اثرات ونتائج اور اس کے رموز وحقائق کے تعین میں پھر ان کا اپنا ذوقِ تاریخ نگاری، مذہبی رجحانات اور ذہنی کیفیات نے اور زیادہ اختلافی نکات پیدا کیے۔اس کا ایک اہم حل یہ ہے کہ تاریخ نگاری میں تلخیص نگاری سے کام لیا جائے یعنی اکابر مؤرخین کے بیان کردہ تاریخی واقعات کی ایک ایسی جامع تلخیص تیار کی جائے جس میں بہت سے علمی نکات موجود ہوں۔تاریخ دعوت وعزیمت میں یہ بنیادی فنی خصوصیت بھی نظر آتی ہے کہ مولانا ندوی بیان واقعات اور دریافتِ حقائق کے اس سفر میں بھی تلخیصِ تاریخ سے

کام لیتے ہیں, مثلا "ہندوستان میں چشتی سلسلہ اور اس کے اکابر شیوخ" کا تعارف لکھتے ہوئے آپ نے منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی,[44] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء برنی,[45] تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ،[46] سیر اولیاء از امیر خورد[47] جیسے مؤرخین کے علمی نکات کو تلخیص کے انداز میں پیش کیا، جواس کتاب کے علمی خصائص کا نمایاں مظہر ہے۔[48]

3۔ تاریخ وتنقید کا امتزاج:

مولانا ندویؒ نے اپنی کتاب میں تاریخی واقعات کو من وعن نقل نہیں کیا بلکہ بعض واقعات پر تنقید بھی کی جس سے کتاب کی فنی قدر وقیمت میں بہت اضافہ ہوا۔ جلد چہارم میں حضرت مجدد الف ثانی پر کچھ معاصر علماء کی تنقید کے واقعات درج ہیں۔[49] مولانا ندوی نے ان واقعات کو آنکھیں بند کرکے نہ درج کیااور نہ رَدّ۔ بلکہ ان واقعات کے اصل حقائق کو درج کیا مثلا حضرت مجدد پر تنقید کرنے والے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ(م 1052ھ)کا نام بھی آتا ہے۔ شیخ عبدالحقؒ کے مطابق حضرت مجدد کے بعض اقوال سے ان اکابر بزرگوں کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہےجن کی جلالت قدر پر امت کا اتفاق ہے۔[50] مولانا ندوی اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جن باتوں سے بعض علماء کی توہین کا پہلو ثابت کیا جاتا ہے وہ باتیں محض جھوٹ کے طور پر حضرت مجدد کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔[51]

4۔ افکار مجددین کے بنیادی ماخذ کا بیان:

کتاب(تاریخ دعوت وعزیمت) کی اور ایک علمی وفنی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مذکور مجددین کے افکار ونظریات کو ان کی اپنی مستند کتابوں کی روشنی میں بیان کیاگیاہے۔اس بیان میں نہ تو مبالغہ آرائی ہے اور نہ ہی کلام کو اس کے اصل سیاق سے بے ربط کیااور نہ ہی کوئی ذہنی ومذہبی عصبیت سے کام لیا۔تحقیقی عمل کا یہ ایک مستقل اصول ہے کہ مواد کا حصول ہمیشہ مستند اور بنیادی ماخذات سے ہونا چاہیے۔ مولانا ندویؒ نے اس اصول کی پوری کتاب میں پاسداری کی۔ مولانا ندویؒ نے مجددین کے افکارونظریات کو ان کی اپنی کتابوں کی روشنی میں بیان کیا۔[52] حضرت حسن بصریؒ اورحضرت عمر بن عبد العزیزؒ معروف طور پر کتابوں کے مصنف نہ تھے اس لیے ان کے افکار کا ماخذ تاریخ اسلام کی بنیادی کتب ہیں۔ البتہ ابو الحسن اشعریؒ، امام غزالیؒ، حضرت عبد القادر جیلانیؒ جیسے اکابر مجددین سے لیکر سید شہید تک تمام مجددین، مصلحین کے افکارونظریات کے ماخذ خود ان کی کتابوں کے اقتباسات کی روشنی میں بیان کیے گئے۔[53] اور ایک خوبی یہ بھی ہے کہ عربی مجددین (امام غزالیؒ،امام ابن تیمیہؒ وغیرہ) کی کتب سے اقتباسات عربی زبان میں درج کیے اور ہندی مجددین حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے افکارونظریات کا بیان ان کی اصل کتابوں کی حقیقی زبان یعنی فارسی اقتباسات معہ ترجمہ پیش کیے۔[54] کتاب کی اس خوبی سے اس کے پایۂ استناد کے ساتھ ساتھ تاریخ عربی وفارسی کے مختلف اسالیب کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔

5۔ فہرست نقشہ جات:

تاریخ دعوت وعزیمت میں جن مجدد حضرات کے کارہائے نمایاں اور کمالات بیان ہوئے ان میں حضرت امام ابن تیمیہ اور سید احمد شہید عالمؒ مجدد ہونے کے ساتھ ساتھ عملی مجاہد بھی تھے۔امام ابن تیمیہ نے اپنے دور میں تاتاریوں کے خلاف جہاد بالسیف تو کیا لیکن کوئی منظم فوج تشکیل نہیں دی۔[55] لیکن سید احمد شہیدؒ نے باقاعدہ تحریک جہاد کے طور پر مسلم مجاہدین کو منظم کیا اور سکھوں کے خلاف کئی عملی جنگیں کیں۔ چنانچہ حضرت سید صاحب کی جنگی مہارت اور حربی قیادت کی صلاحیتوں کے بیان میں مولانا ندویؒ نے حصہ ششم میں ان نقشوں اور راستوں کی نشاندہی کی ہے جن سے حضرت سید احمد شہیدؒ گزرے۔اسی طرح ان عمارتوں اور مکانات کی تصاویر بھی کتاب میں شامل کیں جنھیں سید احمد شہید سے نسبت تھی[56] مثلاً کہیں دائرہ شاہ علم اللہ کی بستی کا منظر پیش کیا جو سید احمدؒ کے اجداد میں سے تھے,[57] اور کہیں مسجد دائرہ شاہ علم اللہ کی تصویر موجود ہے جو تقریباً 300 سال پرانی ہے۔ص110پر سید احمد شہیدؒ کے مکان کی تصویر موجود ہے جو بہرحال ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔[58] صفحہ265 پر سید احمد شہید کے سفر حج کے بیان میں بریلی تا دریائے گنگا تک کا نقشہ موجود ہے۔[59] یہ نقشہ ہندوستان کی 1821ء بمطابق 1236ھ کی سیاسی تقسیم کو بھی ظاہر کرتا ہے اس لحاظ سے یہ نقشہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے سفر حج سے متعلق معلومات افزا ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ وجغرافیۂ ہند کے علماء ،طلباء اور محققین کے لیے بھی از حد مفید ہے۔ ص451 پر سید احمد شہیدؒ کے سفر ہجرت کا نقشہ 1826ء بمطابق1241ھ کے عرصہ سے متعلق ہے۔نیزاس سے ہجرت کے راستوں کی وضاحت میں مدد ملتی ہے۔[60] ص489 پر درہ بولان کی تصویر موجود ہے۔ یہ درہ بھی سید احمد کی گزر گاہ تھا۔ ص498 پر دریائے کنہار (بالاکوٹ) اور دریائے کوزک کی تصویر بھی موجود ہے۔ ص521 پر اکوڑہ کا وہ میدان, جہاں مجاہدین نے پہلی جنگ کی تھی, کی تصویر دی گئی ہے اور اس راستہ کی تصویر بھی موجود ہے جہاں سے مجاہدین دریَائے کابل کو عبور کرکے اکوڑہ کے میدان میں داخل ہوئے تھے۔ فہرست نقشہ جات کا یہ سلسلہ حصہ دوم میں جاری رہا۔ حصہ دوم کے ص(1) پر صوبہ سرحد کے ان مقامات کا نقشہ دیا گیا ہے جہاں مجاہدین کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ص5 پر ضلع پشاور کا نقشہ، ص13 پر بونیر وسوات، ص35 پر ضلع ہزارہ اور دریائے اٹک، ص232 پر ضلع مردان کے علاقہ سَمہ کا نقشہ اور ص366 پر پنجتار سے بالاکوٹ تک کے ان راستوں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جو مجاہدین کی گزرگاہیں تھیں۔ حصہ ششم, جلد اول کے آخر میں سید احمد شہیداورشاہ اسمٰعیل شہید کے مزارات ،مساجد اور میدان بالاکوٹ کی تصاویر بھی موجود ہیں۔[61]

6۔ اصلی قلمی تحریر کا عکس:

ویسے تو پوری کتاب میں بیان پر مجددین ملت کے ساتھ مولانا ندویؒ کی مذہبی عقیدت، فکری ربط اور ذہنی تعلق کتاب میں ہر صفحے پر موجود ہے۔لیکن حضرت سید احمد شہید کے جہادی اور تجدیدی کارہائے نمایاں کو مولانا ندوی نے جس کمال خوبی سے بیان کیا وہ اعتقادی اور علمی لحاظ سے بہت ہی قابل قدر، لائق فخر اور نمونۂ ہنر بھی ہے۔ کتاب کے فنی کمالات میں ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ کتاب میں سید صاحب کی دو قدیم تحریروں کا عکس موجود ہے جو فارسی میں لکھی ہوئی ہیں اور جن پر سید صاحب کے واضح طور پر دستخط نظر آتے ہیں۔کتاب کی اس فنی خوبی سے اس دور کا طرز تحریر بھی سامنے آجاتاہے۔[62]

7۔ اشاریہ سازی کی وصف:

کتاب کی کوئی جلد وحصہ اشاریہ سازی سے خالی نہیں۔یہ اتنی بڑی علمی خدمت ہے جس کی بدولت کتاب کے ہزاروں صفحات پر درج مفید علمی معلومات، کتابیات، اعلام، مقامات کو حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح قلمبند کیا جس سے مذکورہ عنوانات پر قاری کی فوری رسائی ہوجاتی ہے۔جلد سوئم میں تو مقامات کے ساتھ ساتھ عمارات، سِکے، باٹ ساز کا بھی اشاریہ بتایا گیا۔ کہیں متفرقات کے عنوان سے سلاسل وسلوک، گھاٹ، بندر گاہیں، نہر، دریا، پہاڑ، قلعے، مطابع، کتب خانے، سرائے، امام بارے کا بھی اشاریہ موجود ہے۔[63] حصہ دوم کے اشاریہ میں مذاہب، تحریکات، نظریات، اصلاحات، اقسام علوم کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔[64] حصہ چہارم میں حادثات، زبانوں اور فلسفہ کی اصلاحات کو بھی اشاریہ میں شامل کیا گیا ہے۔اس طرح ایک کامیاب مصنف کی مفید ترین کتاب کو مرقعِ علوم کا درجہ حاصل ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ اشاریہ مولوی غیاث الدین ندوی نے مصنف ابوالحسن علی ندوی کی معاونت سے تشکیل دیا۔[65]

8۔کتاب کے خفیف نکات:

کتاب کے خفیف نکات کی نشاندہی سے قبل فاضل مؤلف مولانا ندویؒ کے اس تصور کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ جو انھوں نے بھول چوک اور خطاء کے ظہور کے حوالے سے لکھا، آپ رقمطراز ہیں:

> خطاء کا ظہور اور بھول چوک بشریت کااقتضاء اور فطرتِ انسانی کا لازمہ ہے۔ غیر معصوم کا اس سے بچنا تو امر محال ہے لیکن اہل اصطفا اور مقبولین بارگاہ اور عوام الناس میں یہی فرق ہے کہ ان مقبولین کو اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوتی ہے اور غلطی کے صدور کے بعد ان کی بندگی کا نمایاں طریقے پر ظہور ہوتاہے"۔[66]

جب سہو اور خطا انسانی فطرت کا لازمہ ٹھہرا تو یہ ناممکن تھا کہ دعوت وعزیمت جیسی عظیم الشان کتاب میں کوئی خفیف نکات نہ ہو۔اہل علم نے کتاب کے کمزور پہلوؤں کا ذکر بھی کیاہے، مثلاً ڈکٹر نثار احمد صاحب لکھتے ہیں:

۱۔ اس حصہ میں "تاریخ دعوت وعزیمت" کے مقابلے میں تذکرۂ شیوخ وصوفیاء کا رنگ غالب ہے۔پس منظر کو جس طرح نکھارا گیا ہے، وہ یہاں مفقود ہے۔[67] نا معلوم مولانا علی میاں نے اپنے اسٹائل کو کیوں تبدیل کیا؟ اس تبدیلی نے کتاب کی قدروقیمت کو کم کر دیاہے اور پہلی دو جلدوں سے کاٹ دیا ہے۔

۲۔ کتاب کو بغور پڑھنے کے بعد قاری اپنی ممدوح شخصیات سے کچھ واقف ہو جاتا ہے، مگر ان کے کارنامے کو پوری طرح نہیں سمجھ پاتا۔ان حضرات کا نقشۂ حیات پر کیا اثر پڑااور زندگی کے دریا کا رخ انہوں نے کس طرح موڑا، یہ بنیادی سوال ایک راز ہی رہتا ہے اور یہ زیر تبصرہ کتاب کی بڑی خامی ہے۔

۳۔ مولانا علی میاں نے "مقدمہ" میں دوسرے تذکروں کی جو خامیاں بیان کی ہیں ، وہ خود اپنے اس تذکرہ کو ان سے پوری طرح پاک نہیں رکھ سکے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے صوفیاء کرام نے دعوت دین کا کام بڑی حد تک کرامات کے زور پر کیا۔ہم کرامات کے منکر نہیں ، لیکن ہمارے ان محسنوں کے ساتھ یہ کوئی انصاف نہیں کہ ان کی دعوت اور ان کے سلسلہ کی انفرادی اور اجتماعی سرگرمیوں کو تولے لیا جائےاور ذاتی اخلاق اور کرامات کو مسخر کرنے والی اصل قوت کی حثییت سے پیش کیا جائے۔ علی میاں کی مشکلات کا ہمیں اندازہ ہے۔مواد کی کمی کا بھی ہمیں احساس ہے، لیکن اس سنگلاخ زمین پر ان سے ہمیں اس سے بہتر کی توقع تھی۔

۴۔ اس تذکرہ میں اقتدار سے صوفیائے کرام کے تعلقات کا ذکر جس طرح آیا ہے، وہ بھی تسلی بخش نہیں۔اوّل تو یہ پہلو ہے ہی بہت مختصر اور ضمنی، پھر اس سلسلہ میں کوئی متعین رویہ ہمارے سامنے نہیں آیا۔کہیں اقتدارسے بے تعلقی ہے تو اس کے ساتھ دعا گو ہونے کا اظہار بھی ہے۔ پھر اجتماعی اور سیاسی زندگی میں اسلام کے تقاضے کیاہیں؟ اس کی کوئی نشاندہی نہیں ملتی۔حکام اگر صوفیاء کرام کو بلاتے ہیں تو وہ اس طرف توجہ نہیں کرتے جو بات بعد میں حضرت مجدّد الف ثانی کے احوال میں ملتی ہے، اس کی کوئی جھلک اس دور کے تذکرہ میں نہیں ملتی۔ مزید بر آں مولانا محترم اس مشکل سے نبرد آزما بھی نہیں ہوئے۔اس بات کو نظر انداز کر دینے سے وہ سوالات حل نہیں ہو سکتے جو فطری طور پر ذہن میں پیداہوتے ہیں۔

۵۔ کتاب کے دائرہ کو ہندوستان تک محدود کر لینا بھی محل نظر ہے۔اس زمانے میں باقی عالم اسلام بالکل مردہ نہیں تھا۔ خصوصیت سے اسپین اور مشرقی افریقہ ان تمام علاقوں سے کلی طور پر صرف نظر کرلینا ناقابل فہم ہے۔ان تمام خامیوں کے باوجود کتاب بے حد مفید اور ہمارے لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔خصوصاً ایسے حالات میں جب کہ کوئی ایک مستند کتاب بھی اس موضوع پر مشکل سے ملتی ہے ان کی یہ کوشش قابل قدر ہے۔لیکن محبت وعقیدت بھی جھلکتی ہے، اس لیے کہیں کہیں رعایت برت گئے ہیں۔ ان تحفظات کے علاوہ چند مزید نکات بھی محل نظر ہیں:

1۔ حصہ چہارم میں حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ کے تجدیدی کارناموں کا کوئی ذکر نہیں۔

2۔ کتاب میں حوالہ جات کا طریقہ نہ تو یکساں ہے اور نہ ہی ہر لحاظ سے مکمل، کہیں مصنف ہے تو تصنیف نہیں اور کہیں تصنیف ہے تو مصنف نہیں۔[68]

3۔ بعض قرآنی آیات اور احادیث بلا حوالہ درج ہیں مثلاً حصہ چہارم میں ص205 پر تینوں قرآنی آیات بغیر ترجمے اور حوالے کے درج ہیں۔اسی حصہ کے ص 272 پر دو مصرعوں کا حوالہ نہیں, ویسے پوری کتاب میں اشعار بلاحوالہ ہی درج ہیں۔اسی طرح حصہ چہارم کے ص 257 اور 260 پر احادیث بلاحوالہ درج ہیں۔

املاء کے اغلاط:

کتاب میں املاء کی اغلاط بھی موجود ہیں لیکن اسکی ذمہ داری مصنف پر کم، کاتب اور پرنٹر پر زیادہ ہے۔ لیکن اسکی ذمہ داری کا عملی تجربہ ہوا ہے کہ حروف ونقاط کی غلطیاں اصل مسودہ میں دور کرنے کے باوجود چھپائی مشین کی خرابی اور غیر معیاری سامان طباعت کی وجہ سے غلطیوں کا رہ جانا عام سی بات ہے۔ چند ایک کی نشاندہی کی جاتی ہے, مثلاً حصہ پنجم, ص142 پر لفظ مترادف پر تا کے نقطے مفقود ہیں۔اسی حصہ کے ص339 پر املاء کی غلطی موجود ہے۔ جلد ششم, حصہ اول، ص150 پر بھی لفظی غلطی موجود ہے۔ اسی قسم کی اغلاط جلد ششم, حصہ دوم, ص292 اور 443 پر بھی موجود ہیں۔

خلاصہ تحقیق:

تاریخ عوت وعزیمت کا مطالعہ تاریخ کے اساتذہ, طلبہ اور محققین کے لئے اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے جتنی اہمیت انسانی جسم میں ذہن ودماغ کی ہوتی ہے کیونکہ تاریخ کسی بھی فرد یا قوم کی یاداشت ہوا کرتی ہے۔ جس طرح یاداشت کے بغیر فرد ادھورا ہے, اقوام ہی اپنی تاریخ سے نابلد ہو کر گم ہو جاتی ہیں۔ مجددین ملت کے کارنامے, خدمات کی تاریخ, اسلامی ادب میں بہت ناپید ہے اور الگ سے اس موضوع پر برائے نام کتب ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔ لیکن مولانا ندوی کی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" میں تجدید واحیائے دین کی مفصل اور مربوط تاریخ, دلائل اور تحقیق کے ساتھ موجود ہے۔ یہ کتاب مولانا ندوی کے فکر انگیز اسلوب کی عکاسی کرتی ہے۔ تمام مجددین و مصلحین امت کے کارہائے نمایاں کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اسلوب شیریں ودل نشیں اور الفاظ قاری کے دل میں اترنے والے ہیں۔ تاہم ان احیائی تحریکوں کے اثرات مابعد کی تحریکوں پر کیسے مرتب ہوئے, اس تذکرہ سے کتاب تقریباً خالی ہے۔ یہ خلا کتاب کا نقص نہیں بلکہ مستقبل کے محقق کو دعوت فکر اور اس کے قلم کیلئے ذریعہ تحریک ہے۔ پوری کتاب میں نقل اقتباسات کا تسلسل کثرت سے ہے جبکہ نقد وتبصرہ کا حصہ کم ہے۔ بہر حال موضوع کے ساتھ پورا انصاف کیا گیا ہے اور موضوع نایاب پر کتب کی کمی کو پورا کرتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] المنجد. ط: خزینۂ علم وادب, لاہور، ص26

[2] مصطفیٰ, ابراھیم وغیرہ. المعجم الوسیط.ط: 1985ء, مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص25

[3] السخاوی. الاعلان بالتوبیخ. مترجم: ڈاکٹر سید محمد یوسف. ط: 1968ء, مرکزی اردو بورڈ, لاہور، ص27

[4] S.M Jaffer. *History of History*. Oxford Press Karachi P. 2,1972

[5] Ibid , P. 3 to 5

[6] Seelay, quoted in contemperary history Karachi Art, Press, page no 20 ,1965

[7] محمد, اقبال, علامہ. بالِ جبریل. ط: 1986ء, شیخ غلام علی اینڈ سنز, لاہور, ص90

[8] سر سید احمد خان، مولانا شبلی نعمانی،سید امیر علی، علامہ اقبال، مولانا حمید الدین فراہی اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین جیسے اربابِ علم زیادہ نمایاں ہیں۔

[9] موجودہ دور میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ, مولانا مودودیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے اسماء گرامی ان میں شامل ہیں۔

[10] برِ صغیر پاک وہند میں جامعہ ملیہ دہلی، ندوۃالعلماء لکھنوء، دار المصنفین اعظم گڑھ اور جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

[11] اکرام, شیخ محمد. موج کوثر. ط: 1982ء, ادارہ ثقافت اسلامیہ, لاہور، ص187

[12] ایضاً

[13] پاکستان میں یہ کتب مجلس نشریاتِ اسلام کراچی سے متعدد بار شائع ہوئی ہیں۔

[14] ندوی, ابو الحسن علی. حیات عبدالحئ. ط: 1985ء, مجلس نشریات اسلام،کراچی،ص25

[15] ندوی, سید رضوان علی. مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حیات وافکار کے چند پہلو. ط: ادارہ تحقیقات اسلامی, بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی, اسلام آباد،ص73

[16] ندوی, شاہ معین الدین, مولانا. تاریخ اسلام. ط: 1988ء, نیشنل بک فاونڈیشن, لاہور, 117/1

[17] قاسم, فرشتہ محمد. تاریخ فرشتہ. ط: 1935ء, طبع دہلی, ص172

[18] حیاتِ عبد الحئ ,ص51

[19] کتاب نہایت جامع اور مستند ہے تاریخ ہند میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔

[20] ندوی, ابو الحسن علی مولانا. کاروان زندگی. ط: 1987ء, مجلس نشریات اسلام،کراچی, 125/1

[21] ندوی, ابو الحسن علی مولانا. کاروان حیات. ط: مجلس نشریات اسلام،کراچی, 15/1

[22] مولانا کے تمام تذکرہ نگار اس امر پر متفق ہیں۔[سید رضوان علی ندوی کی کتاب حوالہ نمبر15، ص43]

[23] کاروانِ زندگی، ص34

[24] کاروانِ حیات، ص123

[25] اظہر، ڈاکٹر ظہور احمد. رودادِ مولانا ابو الحسن علی ندوی. "تعزیتی سیمینار". ط1: 2000ء، قافلہ ادب اسلامی، لاہور، جلد 1، شمارہ 1 اشاعت فروری تا جولائی 2000

[26] ملاحظہ ہو: حوالہ نمبر2، جلد1، ص123

[27] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: کاروانِ زندگی، ص128-131

[28] ایضاً، ص150

[29] ایضاً، ص 117

[30] احمد، ڈاکٹر اسرار. اسلام اور پاکستان (سیاسی علمی اور ثقافتی پسِ منظر). ط: 1986ء، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ص64

[31] ملاحظہ ہو: کاروانِ زندگی، ص 170 تا 173

[32] محمود، سید قاسم. اسلامی انسائیکلوپیڈیا. ط: 2004ء، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ص109

[33] ندوی، ابو الحسن علی. تاریخ دعوت وعزیمت. ط: 1986ء، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1/ 15-17

[34] مثلاً حضرت یحیٰی منیری، معین الدین چشتی اجمیری جیسے اولیاء کرام۔

[35] Acton, Modern History, Cambridge Press London, P-11

[36] Ibid , P- 15

[37] Ibid , P- 42

[38] پوری کتاب تاریخ دعوت وعزیمت کی ہر ہر جلد اس پر گواہ ہے۔

[39] Kent. Book of History Writing. Izhar sons Karachi P-14, 1957

[40] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا باب اس ضمن میں ایک روشن مثال ہے۔ملاحظہ ہو: تاریخ دعوت وعزیمت، ج1

[41] ملاحظہ ہو تاریخ دعوت وعزیمت، 3/137، 5/ 78

[42] علامی، اَبوالفضل. مغلِ اعظم اکبر کے دینی ومزاجی انحراف کا بیان. 4/108

[43] تاریخ دعوت وعزیمت، 4/18

[44] بدایونی، عبد القادر. منتخب التواریخ. ط: طبع دھلی

[45] برنی، ضیاء الدین. تاریخ فیروز شاہی. ط: 1918ء، کلکتہ

[46] قاسم، فرشتہ محمد. تاریخ فرشتہ. ط: 1958ء، انجمن ترقی اردو

[47] خورد، امیر. سیر اولیاء. ط: طبع دھلی

[48] ملاحظہ ہو: تاریخ دعوت وعزیمت، تذکرۂ خواجہ معین الدین چشتیؒ، جلد3

[49] تاریخ دعوت وعزیمت،4/335-354

[50] تاریخ دعوت وعزیمت،4/337

[51] ایضاً، ص338

[52] ملاحظہ ہو تاریخ دعوت وعزیمت، ج4، تذکرۂ حضرت مجدد الف ثانیؒ، ج5، حضرت شاہ ولی اللہؒ

[53] تاریخ دعوت وعزیمت، ج2، تذکرۂ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، تذکرۂ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ

[54] ملاحظہ ہو: حوالہ نمبر52

[55] تاریخ دعوت وعزیمت، ج2، تذکرۂ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ

[56] تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ6، 1/90

[57] ایضاً، ص91

[58] ایضاً، ص110

[59] تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ6، ص265

[60] ایضاً، ص451

[61] ملاحظہ ہو: تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ6، آخری صفحات

[62] ملاحظہ ہو: تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ6، ص95 – 94

[63] ملاحظہ ہو: تاریخ دعوت وعزیمت، ج1، اشاریہ حصہ اول

[64] ملاحظہ ہو: متعلقہ جلد کا اشاریہ

[65] حصہ اشاریہ سازی کے تعارفی صفحہ پر ان کا نام درج ہے۔ملاحظہ ہو ہر جلد کے اشاریہ کا اولین صفحہ۔

[66] تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ2، 6/502

[67] احمد، نثار، ڈاکٹر. مولاناابو الحسن علی ندویؒ کے حیات وافکار کے چند پہلو. ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص126-128

[68] تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ چہارم، ص 170، حاشیہ نمبر2